وسط ایشیائی تمدن کا تاریخی پس منظر

ڈاکٹر زبیدہ جان

کسی بھی تمدن کا صحیح تجزیہ کرنے کی خاطر اسکے تاریخی پس منظر کے ادراک و عرفان کو ایک بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ وسط ایشیا جیسے علاقے کے لئے تو ایسے پس منظر کا اہم ہونا اور بھی نمایاں ہے۔

قدیم ترین زمانے سے وسط ایشائی تاریخ کی نمایاں خصوصیت یہ رہی ہے کہ وادیوں اور نخلستانوں میں جہاں ایک طرف گھنی بستیاں پنپتی رہیں وہیں ارد گرد کی پہاڑیاں بے قرار اور نیم وحشی خانہ بدوشوں کی پناہ گاہیں بنتی رہیں۔ یہ خانہ بدوش قبیلے وقفے وقفے سے اپنے روایتی پیشے کو ترک کر کے نخلستانوں میں آباد لوگوں کو لوٹنے اور قتل عام میں محو ہوتے تھے اور نتیجتاً لوٹ کھسوٹ کی ان ان گنت مہموں کی وجہ سے بے شمار نقل وطن کی تحریکیں وجود میں آتی رہیں۔ ایسی

تحریکیں اکثر پہاڑی خانہ بدوشوں کے ہاتھوں نخلستانی علاقوں پر کامیاب مہموں کے نتیجے میں وہاں کی بستیوں کے معاشرے میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کر دیتی تھیں فتح یافتہ علاقوں پر خانہ بدوشوں کی سیاسی بالادستی قائم ہوتے ہی وہ لوگ اپنے معاشی فائدوں کے حصول میں جھٹ جاتے تھے یہ عمل ان علاقوں میں وہاں کے آباد شہریوں کو زبردستی نکالکر خانہ بدوشوں کے وہاں آباد ہونے سے عمل میں آتا تھا یوں پہاڑوں میں آزادی سے اِدھر اُدھر پھرنے والے شہری قوانین سے غافل یہ جنگجو خانہ بدوش وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ شہری زندگی سے مانوس ہو جاتے تھے اور الگ تھلگ رہنے کے بجائے کسی قدر امن پسند اور قانون کے تابع ہو جاتے تھے۔ ایسی تبدیلی تاریخی و سماجی لحاظ سے بہت ہی اہمیت کی حامل ہوتی تھی اگرچہ پہلے پہلے دو متضاد قسم کے تمدنوں کے ملاپ سے زبان اور رہن سہن کے طور طریقوں پر پڑنے والا اثر زیادہ نمایاں نہ ہوتا تھا پھر بھی فاتح لوگ ان علاقوں میں پہلے سے قیام پذیر لوگوں پر اپنی زبان، تمدن اور طور طریقے ٹھونسنے کی بھرپور کوشش کرتے تھے جس کی وجہ سے ان دو قوموں میں اکثر ٹکراؤ بھی ہوتا رہتا لیکن ——— کچھ مدت کے بعد جب خانہ بدوشوں کو وہاں کے مقامی باشندوں کے تمدن وغیرہ کی برتری سے صحیح طور واقف ہونے کا موقع ملتا تھا تو

ٹکراؤ کی روش آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی تھی اور یوں خانہ بدوش اپنے آپ کو اپنی شہریوں کے عادات واطوار میں رنگنے لگ جاتے تھے لیکن اسکے ساتھ ہی خود خانہ بدوش لوگ بھی شہری تمدن میں کچھ اور نئے رنگ بھرتے اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ زبان اور نسل کے تمام اختلافات جو کچھ عرصہ تک ان دو قوموں میں ایک دیوار کی طرح موجود ہوتے وہ بھی ختم ہو جاتے تھے اور یوں نقل وطن کر کے آنے والے خانہ بدوش شہری آبادی کے تمدن و زبان کو اپنانے کے ساتھ ساتھ خود بھی اپنے خد و خال سے ان پر اثر انداز ہوتے۔ قبائیلوں اور شہریوں کے اس طرح کے مسلسل میل وملاپ کی وجہ سے بالآخر وسط ایشیا نسلِ انسانی کے ایک عظیم عجائب خانے میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔[۳۶] بارتھولڈ (Barthold) کی تحقیق سے یہ بات نمایاں ہو چکی ہے کہ خوارزم وغیرہ علاقوں میں اوگز کیپچاک اور باقی ترک قبائل کے قیام اور بستیاں بسنے کے بعد ان علاقوں کے پشتنی باشندوں کی شکل وصورت اور زبان میں ترکوں کے اثرات ظہور پذیر ہوئے[۳۷] اسی طرح یُونس خان جو چنگیز خان کی اولاد میں سے تھا کے خد و خال کے بارے میں مرزا حیدر دوغلت اپنے آشنا مولانا محمد قاضی کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ملاقات سے قبل اسے یہی خیال تھا کہ یونس خان بھی باقی ترکوں ہی کی طرح داڑھی کے بغیر ترکی خد و خال اور عادات واطوار والا شخص ہوگا لیکن

وجیہہ صورت گھنی داڑھی والا تاجکستانی لگ رہا تھا۔ جب ان سے سامنا ہوا تو قاضی موصوف یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یونس خان بالکل یونس خان سے مختلف تھے۔[5]

اتچ۔ جی ویلز (H.G. Wells) کے نظریے[4]

کے مطابق یہ غلط نہیں ہے کہ انسانی ارتقا میں خانہ بدوشی کا مرحلہ بستیوں میں بسنے کے مرحلے کا پیش خیمہ رہا ہے بقول اسکے پہلے پہلے تو آدمی بھی باقی جانداروں ہی کی طرح فقط خوراک کی تلاش میں یہاں وہاں پھرنے والی مخلوق میں سے ایک تھا البتہ جہاں کچھ لوگ ایک ہی جگہ آباد ہونے کو ترجیح دینے لگے تو وہاں دوسرے لوگوں نے خانہ بدوشی کو ترجیح دینے کا رجحان قائم رکھا اور یوں زندگی گذارنے کے یہ دو متضاد طریقے مختلف سمتوں میں دن بدن اپنے طور پر ترقی کرتے رہے[6]۔ جب ہم اپنے طور پر ایسے نظریات کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصل میں وسط ایشیا کے علاقے سے جب آریاؤں کی کچھ جماعتیں جنوب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ترقی یافتہ تہذیب اپنا رہی تھیں تو وہیں کچھ اور آریہ لوگ یہاں وہاں پھرتے، ریوڑ پالتے، خیمہ زنی اور خانہ بدوشی کی زندگی میں محو رہتے تھے۔ خانہ بدوشی کی زندگی کے لئے موسم میں آہستہ رفتار سے ہونے والی تبدیلی بھی بڑی معاون رہی کیونکہ اس تبدیلی سے جنوبی روس اور وسط ایشیا کے دلدل

والے جنگل اور باقی احاطے بڑی چراگاہیں پہاڑیوں میں تبدیل ہوتے گئے یہی چراگاہوں میں وجود میں آنے کا سلسلہ۔ ایک اچھی خانہ بدوشی بے قیامی کی سے زندگی کے پروان چڑھنے میں بڑا مددگار ثابت ہوا ہے دلچسپ بات یہ ہے کہ خانہ بدوشوں کا سیاسی ڈھانچہ بھی بالکل سطحی ہوتا تھا کیونکہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہی یہ پھر آپس میں صلاح کر کے ایک ہو جاتے تھے اس رویہ کے پس منظر میں مختلف نسلوں میں ایک جیسے سماجی عادات و اطوار پیدا ہوتے رہے ہیں۔

اس ادغام اور اتصال کے نتیجے میں ان لوگوں کو تمدنی طور پر الگ الگ تقسیم کرنا انتہائی مشکل بلکہ تقریباً ناممکن سا ہے۔ چنانچہ وسط ایشیا کے روسی علاقوں کی طرح چین کے شمال اور شمال مغربی علاقوں کے منگول نسل کا حال بھی بالکل انہی جیسا ہے ویسے بھی ترک اور تاتار انہی یہاں وہاں پھرنے والے منگولوں میں سے نکلے ہیں۔ یہاں میں ڈینی سن راس (Deni son Ross) کے الفاظوں کا حوالہ دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ 'ترک' لفظ کو وسطی دور کے کچھ مورخوں نے انتہائی گمراہ کن انداز میں استعمال کیا ہے اسلئے ان بنیادی ماخذوں کی غلط تعبیری سے بچنے کے لئے اس کی تھوڑی سی وضاحت کرنا ضروری ہے۔ ایک طرف تو یہ مؤرخ 'ترک' لفظ کو ایک ایسی قوم اور لوگوں کے لئے استعمال کرتے ہیں جو ایک طرف تاتاریوں اور دوسری طرف

تاجیکوں سے مختلف ہیں۔ جبکہ پھر انکی تحریروں یا تاریخوں میں 'ترک'
لفظ کو بہ لحاظ قوم و نسل تمام خانہ بدوشوں اور پہاڑیوں پر رہنے والے
لوگوں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے یا یوں کہیئے کہ جو شہروں اور قصبوں
میں بسنے والے یا کھیتی باڑی اور ایک ہی جگہ سکونت پذیری نہ کرنے
والے ہوں۔ اس لئے پہلی صورت کو نسلی لحاظ اور دوسری صورت کو
سماجی لحاظ سے لیا جانا چاہیئے۔ مختلف تاریخی ماخذوں کا جائزہ
لینے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ 'ترک' وہ تمام لوگ تھے جو پہاڑیوں اور
اُن سرحدوں سے باہر جسے تہذیبی علاقہ کہا جاتا تھا رہتے تھے اور
چراگاہوں میں زندگی گذارنے کی وجہ سے اپنے لئے ایک الگ اور
مخصوص نام کے مستحق مانے جانے لگے تھے اور یوں تمام وسط ایشیا
میں ان لوگوں کو 'ترک' نام سے ہی جانا جانے لگا۔ ہندوستان
میں لفظ 'مغل' اور یورپ میں 'تاتار' لفظ اسی طرح ان لوگوں کی
نسل کے لئے استعمال ہوتا تھا Deni Son Ross کے حوالے سے
D. Ohsan لکھتا ہے کہ منگول کے لئے دراصل انکے مغربی
ہمسایہ 'تاتار' لفظ کو طنزاً استعمال کرتے تھے پھر یہی 'لفظ' پھیلتے
پھیلتے یورپ کی مغربی سرحدوں تک پھیلتا چلا گیا ہے۹۔

عمرانیاتی اعتبار سے جہاں مندرجہ بالا دو متضاد
انسانی نسلوں کو موجودہ تاجیک اور اُزبک لوگوں کے پشتینی
اجداد مانا جاتا ہے۔ وہاں تقریباً سبھی محقق وسط ایشیاء کی

مختلف قومیتوں میں (جن میں ازبک بھی شامل ہیں) تاجیک تہذیب و تمدن کو ہی اعلیٰ و برتر مانتے ہیں۔

"تاجیک" وسط ایشیا کی ایرانی یا فارسی زبان بولنے والے لوگوں کا وہ گروہ ہے جو انڈو یوربین لوگوں کے آریائی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ماضی کے نسلی نقشے کے تاجکستان کی نسبت بہت دور تک پھیلے ہوئی تھیں۔ تاجکستانیوں کی تاریخ ماضی بعید میں وسط ایشیاء کے دو دریاؤں کے بیچ کے علاقے یا ماوراالنہر اور خراسان و ہندوکش کے مغربی علاقے میں وجود پذیر ہوئی۔ ترکوں کے حملے اور لشکر کشی کے شروع ہوتے ہی نقل وطن اور بعد میں بے شمار لوگوں کی خانہ بدوشی سے ترک کر کے ایک ہی جگہ سکونت کر کے زندگی گذارنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ سے تاجیکوں کے زیرِ رہائش علاقے آہستہ آہستہ سمٹنے لگے اور یوں تاجیکوں کو زرخیز علاقوں سے باہر دھکیل کر بنجر اور غیر آباد پہاڑوں کی طرف رُخ کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس بات کے نتیجے میں وسط ایشیاء پر روس کی چڑھائی کے وقت تاجیکوں کے پاس جو علاقہ سمیٹ کر رہ گیا تھا اس کا رقبہ صرف چند سو مربع کلومیٹر پہاڑی علاقہ پر مشتمل تھا جسے مشرقی بخارا بھی کہا جاتا تھا۔"

ترک اور تاجیک لفظوں کے پس منظر کے برعکس ابتداء لفظ "ازبک" کا تاریخی ارتقاء ان لوگوں کی تاریخ سے کچھ مختلف

رہا ہے جو اس نام سے بعد میں جانا جانے لگا یہ لفظ چودھویں صدی عیسوی میں موجودہ مغربی روسی علاقے میں آباد ان خانہ بدوش لوگوں کو ظاہر کرنے کے لئے وجود میں آیا جو ازبک خان (۱۳۴۲-۱۳۱۲) کی فوج میں بھرتی ہوئے اس تاریخی گواہی کو کچھ مؤرخوں نے بالکل ہی سطحی انداز میں لیتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ موجودہ ازبک صرف اُن خانہ بدوش اُزبک قبیلوں کی اولاد میں سے ہیں جو پندرھویں صدی کے آخیر اور سولہویں صدی کے اوائل میں وسط ایشیا نقل وطن کر کے آئے اور یوں وہ موجودہ ازبک قوم کی ساخت میں رو نما ہوئے ایسے مورخ اس تمام مرکب اور پیچیدہ عمل کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں جس سے یہ موجودہ قوم وجود میں آئی ہے سطحی نظریے کو قبول کرنے کے تو یہی معنی نکلتے ہیں کہ ان خانہ بدوش ازبکوں کے وسط ایشیا کے آنے پر یا تو انہوں نے کسی بھی آدمی کو اس علاقے میں نہیں پایا جہاں وہ آج آباد ہیں یا پھر وہاں بسنے والے تمام لوگوں کو ازبک حملہ آوروں نے وہاں سے مکمل طور پر نیست و نابود کر دیا تھا جبکہ حقیقت میں ان دو صورتوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں بلکہ جب خانہ بدوش ازبک قبیلے وسط ایشیا پہنچے تو انہوں نے وہاں موجودہ ازبکستان یا کم از کم اسکے ایک بہت بڑے علاقے میں ترک زبان بولنے والے لوگوں کی گنجان آبادی سے موجود پائی یہ لوگ اس علاقے میں بہت دیر سے بستے آ رہے تھے اور تقریباً اس علاقے کے پشتنی

باشندوں سے مکمل طور پر گھل مل کر ایک ہو چکے تھے۔ خانہ بدوش ازبک
وسط ایشیا آکر انہی لوگوں کے ساتھ بسنے لگے اور آہستہ آہستہ
اپنی خانہ بدوش زندگی کے اکثر طور طریقے ترک کر کے اپنے
ہمسایوں ہی کی زبان و تمدن اور رہن سہن کے طریقے اپنانا شروع کر دیا
بہرحال خانہ بدوش ازبکوں کا یوں آباد ہونے کا عمل ایک
کافی عرصے تک جاری رہا یہی وجہ ہے کہ موجودہ ازبکستان کے
علاقوں میں روسی چڑھائی کے وقت تک بھی بعض ازبک لوگ
پوری طرح ان علاقوں میں پہلے سے آباد لوگوں سے مکمل طور ایک نہیں
ہوئے تھے۔

بہرحال پانچویں اور چھٹی صدی تک بھی موجودہ روس
کے جنوبی علاقے سے لیکر چینی سرحدوں تک کی ساری دنیا زیادہ
تر خانہ بدوشی جیسی زندگی تھی جس میں صرف کئی تجارتی شاہراؤں پر
ہی شہر اور قصبے نمودار ہو رہے تھے۔ حالانکہ اس زمانے تک بھی
ترکستان کے ترکوں یا تورانیوں اور انکے جنوب میں بسنے والے ایرانیوں
کے درمیان ہمیشہ ہی ٹکراؤ ہوتا رہتا تھا۔

چینی بودھ یاتری ہیون سانگ جس نے کہ ۶۲۹ء میں
ہندوستان کی یاترا شروع کی ترکوں کے نہ صرف موجودہ ترکستان
بلکہ پورے شمالی راستوں پر قابض ہونے کا حوالہ دیتا ہے[13]۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل

میں پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ نے عرب جیسے ایک ایسے ملک (جو اس وقت جہالت اور توہمات میں ڈوب چکا تھا) میں اسلام کی تلقین کرنا شروع کی تو اسی صدی کے آخر تک مسلمانوں کی فتوحات پھیلتے پھیلتے دور وسط ایشیا کی سرحدوں تک پھیل گئیں۔ مجاہدینِ اسلام کی فتوحات نے اس دور کی دو عظیم سلطنتوں یعنی رومی (Byzanthine) اور ایرانی (ساسانی) سلطنتوں کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں۔ اسلام کے نئے عقیدے میں روز بروز پیرکاروں کے ہجوم آملتے رہے اور یہ عقیدہ تعلیم شدہ اور بے آسرا لوگوں میں ایک نیا ہی جذبہ پیدا کرتا گیا۔ لیکن وہ سیاسی اور انتظامی ڈھانچہ جو پیغمبرؐ نے فیض عام کے لئے دیا تھا اور وہ حقیقی جمہوری نظام جو اسلام شناس جماعت نے خلافت راشدہ نام کے تحت مدینے میں قائم کیا تھا بعد میں یزید جیسے لوگوں کے ہاتھوں زوال پذیر ہو گیا کیونکہ اس نے خلافت کو بادشاہت میں بدل دینے کا غیر اسلامی اقدام کر کے از سر نو اس بادشاہی نظام حکومت کو قائم کیا جو کہ اس سے قبل ایرانی ساسانی سلطنت میں قائم تھا۔[۱۴] اگرچہ مسلمان حکمرانوں نے بغداد کے عباسی خلیفوں کے دور یعنی ۷۵۰ء سے ۸۶۱ء تک لفظ خلیفہ ہی بادشاہ کی جگہ استعمال کرنا مناسب سمجھا۔ تاہم ایسا کرنے میں دراصل وہ سیاسی مقصد کارفرما تھا جس کو بادشاہیت کے لئے مسلم معاشرے میں سازگار

فکری رویہ اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کرنے کا عملی نام دیا جاسکتا ہے۔

ایسے در پردہ سیاسی مقاصد اور دنیا دارانہ نظریات رائج ہونے کے نتیجے میں اگلی صدیوں میں وسیع و عریض متحدہ مسلم قلمرو (عرب سے لیکر دور وسط ایشیا تک مسلمان حکمرانوں میں کئی خود مختار سلطنتوں کو جنم دیا چنانچہ خلافت عباسیہ کے بغداد میں زوال پذیر ہونے کے تقریباً دو سو سو سال بعد اس علاقے میں سلجوقیوں کی سربراہی میں ترک لوگ بھی ترکستان کی سرحدوں سے باہر جنوب کی طرف پیش قدمی کرنے لگے اور انہوں نے نہ صرف بغداد پر چڑھائی کی بلکہ وہ ایشائے کوچک کی سلطنت پر بھی قابض ہو گئے۔ یہ اب بھی وہی لوگ تھے جن کا سرسری حوالہ تقریباً چار سو سال پہلے ہیون سانگ نے دیا تھا لیکن اب یہ مسلمان تھے اور وہ بھی ایک حد تک پابند شریعت قسم کے مسلمان۔ انہوں نے اسلامی سلطنت کی طاقت از سر نو کافی بڑھا دی۔ سلجوق سلطنت (۱۰۳۷ – ۱۱۵۷ء) سے قبل بھی دو مسلم سلطنتیں یعنی ایران کی سامانی سلطنت (۸۷۶ – ۹۰۰ء) اور غزنوی سلطنت رہ چکی تھیں۔ دراصل سامانی حکمرانوں ہی نے پہلی بار ماوراء النہر کو مکمل طور پر مسلم حکومت کے تابع کر لیا اور یوں ایک مستحکم اور مضبوط حکومت قائم کر کے ان خانہ بدوش قبیلوں کے خلاف ایک منصوبہ بند مہم شروع کی جو وقتاً فوقتاً وسط ایشائی نخلستانوں اور قصبوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ سلجوق سلطنت بھی آخر کار

خوارزمی حکومت (۱۲۳۱ - ۱۱۵۷ء) جو عالم اسلام کے ایک بہت بڑے
علاقے پہ قابض ہوئی کے سامنے زیر ہو کر رہ گئی۔ اس سلطنت کا
دارالخلافہ سمرقند تھا جو مشرق کے عظیم الشان شہروں میں سے ایک مانا جاتا
تھا۔ Barthold کا خیال ہے کہ خوارزمی حکومت کے ایک اعلیٰ طاقت کے طور پر ابھرنے کی
بنیادی وجہ وسیع تجارتی رابطوں کا پیدا ہونا ہی تھا جب خوارزم سلطنت ترقی کے عروج کو چھو رہی
تھی عین اسی وقت دور مشرق میں منگولیہ کے معمولی سے خانہ بدوش ایک
طاقت کی صورت میں سامنے آنے لگے تھے یہ بکھرے قبیلے یوں
ایک دوسرے سے آملتے گئے کہ منگولوں کی سب سے عظیم قبایلی
اسمبلی (کرلتائی) نے اپنا ایک واحد سردار خاقان یا خان خانان یا شہنشاہ
منتخب کیا۔ اس خاقان کا اصلی نام تیموچن تھا۔ جس نے اس مخصوص
اسمبلی انتخاب کے بعد چنگیز خان کا نام اپنا لیا۔ چنگیز خان کی شخصیت
اور اسکی فتوحات کے بارے میں مورخوں نے کئی متضاد رائیں
پیش کی ہیں جہاں اکثر مورخ چنگیز خان کو یاجوج ماجوج اور قہر خدا
کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ تو وہیں کچھ لوگ اسکی صلاحیتوں
کی بے حد داد دیتے ہوئے اسے بہترین سردار قرار دیتے ہیں۔ جواہر
لعل نہرو بھی چنگیز خان کو دنیا کا عظیم ترین فاتح قرار دیتے ہوئے اس کے
تئیں اپنے دل میں موجود نرم گوشے کو چھپا نہیں پاتا بلکہ وہ دبے الفاظ
میں چنگیز خان اور اسکی اولاد کے ہاتھوں لاکھوں بلکہ کروڑوں بے
گناہ لوگوں کے قتل عام اور وسط ایشیا اور مغربی ایشیا کی ساری

ترقی اور فارغ البالی کو ملیامیٹ کرکے اسے ایک ویران کدہ میں
تبدیل کرنے کی تمام تر ذمہ داری بھی محمد خوارزم شاہ پر ڈالتا ہے[۱۵]
ایسی ہی کوشش منگولوں ہی کے دور میں لکھنے والے کچھ مسلمان
مؤرخوں جیسے علاؤالدین جوینی اور رشید الدین فضل اللہ نے بھی کی
ہے[۱۶]۔ لیکن یہ مسلم حقیقت ہے کہ ترک غلاموں کی نسل سے تعلق
رکھنے والے شخص جیسے سلجوق سلطان نے آمو دریا کے پائین صوبے
کا گورنر مقرر کیا تھا لگاتار جنگوں کے دوران اپنی سلطنت کو ہر سمت
میں بڑھاتے ہوئے تمام عالمی اسلام کو اپنے ہی پرچم تلے متحدہ
کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے بغداد کے برائے نام خلیفہ
سے بحثیت سلطان اور آقا مستعفی ہونے کے لئے کہا۔ خلیفہ
اس کے لئے کسی بھی صورت میں تیار نہ تھا وہ ہر طرف ہاتھ پیر مارتے
ہوئے کسی کو بھی اپنا یار و مددگار یا رشتہ دار بنانے کے لئے تیار
تھا اور بالآخر اس نے بغداد کے گرجوں کے معمر اور باا ثر مجتہد
کو اپنا ہمراز بنا کر کافی غور و خوض کے بعد ایک شخص کے سر کی
کھال میں آگ سے ایک پیغام کندہ کرکے چنگیز خان تک
پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔ یوں بھی چین کے (Kin)
کن خاندان پہ اپنی فتح یابی کے بعد منگول فوج اور ان کے
سردار کی آنکھ مغرب کی طرف اٹھنے لگی تھی اور مغرب سے
تجارتی ذرائع سے آنے والی بیش بہا قیمتی اشیاء ان کے

دل کو للچائے جارہی تھیں چونکہ وہ بظاہر زیادہ دیر انتظار کے عادی بھی نہ تھے اسلئے اب اس پیغام کے بعد چنگیز کے منہ سے رال ٹپکنے لگی اور وہ کسی بھی بہانے مغرب پہ چڑھائی کے لئے بے تاب تھا اور یہ مقصد اس نے اپنی طرف سے بھیجے ہوئے چند مسلمان بظاہر بیوپاری جو بقول حسن علی ندوی اسکے جاسوس بھی ہو سکتے تھے۔ خوارزم شاہ کے علاقے میں بھیج کر قتل کروانے کا اقدام کر کے پورا کیا اور یوں چنگیز نے مغرب کی طرف پیش قدمی شروع کی۔

خیر رشید الدین جوینی اور پنڈت نہرو جیسے لوگوں کی جانبدارانہ منطق اور کج بحثی کے باوجود اس حقیقت کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ چنگیز خان کی نظر میں انسانی جان کی بالکل کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اور وہ لاکھوں انسانی جانوں کو کسی معمولی ضرر رسانی کے خدشے کے پیش نظر انہیں ہلاک کرنا معمول کی زندگی کے دستور میں شامل سمجھتا تھا۔ وہ بالکل سرد مہری سے ترقی یافتہ اور آراستہ شہروں کو ایک پل میں خاک کے ڈھیروں میں تبدیل کر دیتا اور آباد و شاداب علاقوں کو تباہ و برباد کر کے اسے بنجر بنا دیتا تھا۔ اس کی فوج میں ایک بھی شخص ایسا نہ تھا جو آرام و آسائش کو زندگی کے لئے لازم قرار دیتا کیونکہ انکے آقا قی (جیسا کہ انکا خیال تھا) خان نے انہیں جنگ اور قتل عام کی زندگی کو مسرور کن بنا دینا سکھایا تھا اور انکے بس

یہی تمنا اور آرزو تھی کہ وہ اس کھیل کو ہمیشہ جاری رکھتے رہیں گے منگول دربار ہی کا مسلمان مؤرخ جوینی لکھتا ہے کہ جب منگول کسی علاقے پر چڑھائی کرتے تو کسی بھی جاندار کو زندہ نہ رکھتے یہاں تک کہ وہ حاملہ عورتوں کے شکم بھی چاک کر کے رکھتے بہر حال میں نے منگول سلطنت کا ذکر تھوڑی تفصیل سے کرنا اس لئے ضروری سمجھا کیونکہ اس دور کے دوران خانہ بدوش لوگوں کا ترقی یافتہ شہریوں پہ نہ صرف عارضی غلبہ رہا بلکہ منگول خانہ بدوش تباہی اور بربادی کی ایک ایسی قیامت کی صورت میں وسط ایشیا اور مغربی ایشیا پہ حاوی ہوئے کہ وہاں سے صدیوں تک ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان باقی نہ رہا چنگیز خان کی موت کے بعد وسط ایشیا کا سارا علاقہ اس کے دوسرے بیٹے چغتائی کے حصے میں آیا۔ اس علاقے میں سب سے زیادہ متضاد طرز زندگی کا علاقہ تھا۔ ایک طرف اس میں کھیتی باڑی اور تجارت کرنے والے لوگ شامل تھے انکے ساتھ ہی ایشیائی تمدن کے عروج اور گھنی آبادی والے علاقے تھے تو دوسری طرف بالکل گنوار بلکہ نیم وحشی پہاڑی قبیلے شامل تھے جو جنوبی علاقوں میں گزر بسر کرتے تھے۔ چغتائی کی موت کے بعد ہی منگول قوم کی کئی خود مختار حکومتیں وجود میں آنے لگیں۔ مارکو پولو کے مطابق قبلائی خان کی موت کے بعد اس کے بھائی ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کرنے کے بعد ایران میں اپنی پہلی ' ایلخانی '

حکومت قائم کی۔ ۱۳۲۰ء کے ارد گرد خود چغتائی سلطنت بھی دو حصوں یعنی ماوراالنہر اور جھتہ یا منگولستان میں بٹ کر رہ گئی۔ اسکے بعد کئی برس تک ماوراالنہر میں چھوٹے چھوٹے قبائل سرداروں میں آپسی لڑائیاں ہوتی رہیں اور بالآخر ۱۳۳۶ء میں کیش یا شہر سبز کے برلاس قبیلے میں پیدا ہونے والے تیمور ان تمام قبیلوں پر اپنی سرداری قائم کر کے تغلق تیمور کے بیٹے الیاس خان کو ہرا کر خود ماوراالنہر کا حکمران بن بیٹھا اور صاحب قران کے نام سے جانا جانے لگا۔ ۲۵ سالہ تیمور نے اسکے بعد تقریباً چھ سال ماوراالنہر اپنی طاقت کو زیادہ سے زیادہ منجمند اور طاقتور بنانے میں صرف کر کے اپنی مہموں کا آغاز کیا۔ ۱۳۸۱ء میں اس نے ایران کا رُخ کر کے چھ سال میں خراسان، فارس، مازندران اور اصفہان کو فتح کیا۔ ان مہموں میں اس نے ایران کا رُخ کر کے چھ سال میں خراسان، فارس مازندران اور اصفہان کو فتح کیا۔ ان مہموں میں اس نے بھی منگولوں ہی کی طرح بہت سے ترقی یافتہ شہروں اور عظیم محلوں کو خاک میں ملا دیا۔ خود اسکے قصیدہ خوان مؤرخ علی یزدی لکھتا ہے کہ تیمور نے صرف اصفہان کے قتل عام ہی میں ستر ہزار انسانی کھوپڑیوں کے مینار بنوائے۔[19] وہ اسی طرح منگولوں کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے گولڈن ہارڈ یعنی موجودہ روس کے حکمران تغتمش کے خلاف اور مشرقی ترکستان یا منگولستان اور خیوا پر چڑھائی کرتے ہوئے دن

بدن اضافہ کرتا رہا۔ ۱۳۹۸ء میں اس نے ہندوستان کی مہم کے دوران صرف دہلی میں ایک لاکھ قیدیوں کو ہلاک کروادیا۔ ۱۴۰۵ء میں وہ چین کو فتح کرنے کی مہم کے دوران راستے ہی میں ۷۱ سال کی عمر میں مر گیا۔

تیمور جو بنیادی طور ایک نیم خانہ بدوش ہی تھا نے ماوراالنہر کی حکمرانی حاصل کرنے کے بعد مغربی ایشیائی تمدن کے تمام ڈھنگ اپنانے شروع کئے۔ اس نے بھی ایرانی شہنشاہوں کے جاہ و جلال کی طرح اپنے ارد گرد مشہور زمان عالموں، ادیبوں شاعروں اور آرٹسٹوں کی قطاریں کھڑی کر دیں تھیں۔ اس نے براعظم کے مشہور ترین کاریگروں اور دستکاروں کو ماوراالنہر میں جمع کر کے کھیتی باڑی، تجارت، صنعتوں، سائنس اور علم و فنون کی طرف توجہ دیکر منگولوں کے ہاتھوں وسط ایشیا میں ہوئی تباہی کی تلافی کی کوشش کی بلکہ ایشیائی ممالک کو ایک دوسرے سے ملانے کے راستوں کو یوں بدل دیا کہ سمرقند براعظم کی سب سے بڑی بیوپاری منڈی میں تبدیل ہو گیا۔ ہر طرف محلوں، نہروں، پلوں، باغیچوں اور کارخانوں کی بہتات تھی۔ تیمور نے حکمنامہ جاری کیا تھا کہ ہر قصبے میں ایک مسجد، ایک مدرسہ، ایک غسل خانہ اور ایک سرائے تعمیر کی جائے اور اپنے احکامات پر بھرپور عمل درآمد کروانے کے لئے اس نے خلفیہ کارندے بھکاریوں کے بھیس میں تعینات کر رکھے تھے۔ مختصر یہ کہ تیمور نے باقی تمام فتح یافتہ ممالک کو لوٹ کر اور ان کی آبادکاری کو بالکل فراموش کرنے

کرنے کے باوجود وسط ایشیا خاص کر ماوراالنہر یا موجودہ ازبکستان و تاجکستان کی پرانی شان و شوکت کو برقرار رکھنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی اسکے بعد اسکے بیٹے شاہ رخ نے بھی اس عمل کو جاری رکھا۔ شاہ رُخ نے بھی اس عمل کو جاری رکھا۔ شاہ رخ کی ۴۳ سالہ دور حکومت میں ماوراالنہر اسکے بیٹے الغ بیگ کی حکمرانی میں ہر میدان میں ترقی کرتا رہا کیونکہ الغ بیگ ایک حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھا ادب نواز اور علم نجوم کا مانا ہوا استاد بھی تھا۔ اس نے ایک عظیم الشان نجوم دانی کی کی معائنہ گاہ قائیم کردی جو اب تک موجود ہے۔ الغ بیگ کے بعد ابوسعید نے بھی ماوراالنہر کی ترقی میں کافی دلچسپی لی۔ بارتھولڈ ——— Encyclopediaof Islam——— کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ابوسعید الغ بیگ کی سرپرستی ہی میں پلا بڑا اور سائنس تمدن اور علوم وفنون میں اپنی دلچسپی کے لئے الغ بیگ سے داد پاتا رہا۔ بحثیت حکمران وہ اپنی صلاحیتوں اور جاہ و جلال میں بابر، اکبر اور شاہجہاں سے ذی الشان جد کی حیثیت سے انکے نمائندگی کرتا ہے [۱۹]